© rasailojaraid.com

شریعتِ اسلامیہ
کی
دائمی حیثیت

جناب محمد شریف بن فاضل

تعارف سچی بات تو یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ (مجموعۂ افضل الکلام اور سنتِ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم) میں اَن گنت واشگاف اور واضح ناقابلِ انکار حقیقتیں، متعدد ناقابلِ تردید صداقتیں، وافر قابلِ فہم اشارات و قرائن، اَنمٹ قابلِ توجہ معرفتیں، لامتناہی قابلِ ذکر پرچھائیاں و تجلیاں، لامحدود قابلِ تعریف لطافتیں و لذتیں اور بہتیرے قابلِ غور اسرار و رموز موجود ہیں، جن کو قلم و قرطاس کی وساطت سے حروف و الفاظ کے احاطہ میں بند کرنا اور ان کو معنی و مفہوم کا جامہ پہنانا نہایت درجہ دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ یعنی قرآن مجید اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی لازوال صداقتیں، دائم حکمتیں اور پے در پے نصیحتیں ہیں، جن کی کسی قسم کی حد بندی سہل و آسان نہیں۔

سیدھی اور سادہ بات یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کے دوام و قیام، ثبات و

مضمون نگار بینک دولتِ پاکستان، شعبۂ تحقیق، مرکزی نظامت، کراچی سے بحیثیت ریسرچ آفیسر (آفیسر گریڈ ـ وَن) وابستہ ہے۔ اسٹیٹ بینک مضمون میں کسی قسم کی خامی اور تسامح کا قطعاً ذمّہ دار نہ ہوگا۔ لہٰذا تمام تر ذمہ داری بندہ پر عائد ہوگی نیز بندہ اپنے ان رفقاء اور مصاحبین کا بے حد مشکور و ممنون ہے، جنہوں نے مضمون کی تنقیح و تکمیل کے سلسلہ میں علمی معاونت فرمائی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مداومت، ہمیشگی اور تواتر کے تذکرہ و تبصرہ کے لیے جوامع الکلم کی اشد ضرورت ہوتی ہے یہ ضرورت تب پوری ہوتی ہے، جب ایک دیانتدار، طاہر القلب، سلیم الفطرت اور پاکیزہ صفت مسلمان راسخ فی العلم کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو اور غلبۂ اسلام اور تبلیغ دین جیسی خدمت جلیلہ اور پیغمبرانہ دعوت و عزیمت کے لیے ہمہ وقت کوشاں ہو۔ اس کا مطالعہ اور تجربہ ٹھوس، پختہ اور اکمل ہو۔ وہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد و منشاء سے بخوبی آگاہ ہو۔ قرآنی تعلیمات کی گہرائیوں سے واقف ہو۔ وہ حافظ الحدیث نہ سہی البتہ اوامر و نواہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حد درجہ تابع اور مطیع ہو۔ کیونکہ ارشادِ ربانی ہے۔

وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ۔ (الحشر۔۷)

(سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو اور خدا سے ڈرتے رہو[۱])

شریعتِ اسلامیہ کی دائمی حیثیت کے اثبات و ادراک، تصدیق اور تائید کے سلسلہ میں بھرپور جدوجہد اور مسلسل سعی بھی ناکافی اور ناتمام ہے۔ کیونکہ شریعتِ اسلامیہ کی دائمی حیثیت ایک الہامی، ماورائی اور جاودانی تصور ہے اور یہ تصور ہزارہا صدیوں اور امتدادِ زمانہ پر پھیلا ہوا ہے اور جس سے اغماض و چشم پوشی کرنا معصیت و منافقت میں مبتلا ہونے کے مترادف ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کی دائمی حیثیت سے مراد "ازل سے لے کر ابدالآباد تک اس کا وجود و بقاء، منبع و ماخذ ہونا، سرچشمۂ ہدایت رہنا، ذریعۂ نجات قرار پانا، عقیدہ و عبادت کی اساس ہونا، درست معاملہ کا تصور اور حسنِ سلوک کی بنیاد ہونا" ہے۔ بالفاظِ دیگر شریعتِ اسلامیہ کا دوام زمانۂ ماضی، حال اور مستقبل تینوں پر پھیلا ہونے سے عبارت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرستادۂ اوّل حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبیٔ آخر الزماں و ختم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء و رسل کو مبعوث فرما کر بنی نوعِ انسان کے لیے سرچشمۂ ہدایت سے فیض یاب ہونے، رہبری و یافت سے بہرہ ور ہونے، راہِ مستقیم پر گامزن ہونے اور مشیّتِ ایزدی سے سرخرو ہونے کا نہ صرف بندوبست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمایا، بلکہ دنیوی سرفرازی اور اُخروی نجات کی غرض سے بنی نوعِ انسان کو خیرِ کثیر اور نعمتِ عظمیٰ سے نوازا۔

معتزلہ کا فتنۂ خلقِ قرآن

پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ایک ایسا طبقہ و گروہ وجود میں آیا تھا، جو اپنے بعض من گھڑت اور خود ساختہ عقائدِ باطلہ اور بیہودہ نظریات کے بارے میں بڑا غلو و زیادتی برتتا تھا، وہ بڑی سختی روا رکھتا تھا اور اس نے اپنے فرسودہ عقائد اور غلط تاویلات کی خاطر ناگفتہ بہ کرتے پن، عیّارانہ کٹر پن اور شاطرانہ کٹ حجتی کا بھرپور اور پُر زور مظاہرہ کیا کرتا تھا۔ ان کے اصول خمسہ (۱)۔ توحید، (۲)۔ عدل، (۳)۔ وعدہ وعید، (۴)۔ کفر و اسلام کی درمیانی منزل کا اقرار، اور (۵)۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر... بظاہر یہ اصول اسلامی رنگ میں رنگے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، لیکن ان کی تفصیلات جاننے کے بعد ہی اُصولِ خمسہ کی قلعی کھلتی ہے، بعدازاں ان کی پوری اور اصلی قباحت اور اسلام دشمنی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے)۔ اور توحیدی نظریات (معتزلہ قرآن کو مخلوق سمجھتے تھے، کیونکہ وہ صفتِ کلام کو خدا کی صفت تسلیم نہیں کرتے تھے) میں سے سرِ فہرست، اصل اصیل اور مشہور و معروف خلقِ قرآن کا دعویٰ و عقیدہ تھا، یعنی ان کا اعتقادی دعویٰ یہ تھا کہ قرآنِ مجید (کلامِ الٰہی) مخلوق (پیدا کیا ہوا) ہے۔....

بطورِ جملہ معترضہ عقیدۂ خلقِ قرآن کے ضمن میں عرض ہے کہ وہ قارئینِ کرام جو الفاظ و اصطلاحات کے حقیقی مفہوم اور ان کے معنوی اثرات کی بابت کماحقہ غور و فکر نہیں کرتے، وہ "فتنۂ خلقِ قرآن" کو محض فرقۂ معتزلہ کی ایک اعتقادی و نظریاتی اصطلاح اور عہدِ عباسیہ کا سیاسی شاخسانہ، ایک فرقہ وارانہ بکھیڑا، ایک انوکھا مذہبی رخنہ، تنزویراتی بحث و نزاع اور گروہی توڑ جوڑ ہی تصوّر کرتے ہیں۔ لہٰذا لفظ اور اصطلاح کے حقیقی مفہوم اور معنوی اثر کے جاننے اور سمجھنے کی ضرورت و اہمیت کے ضمن میں استاذی المکرم محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر (جو انہوں نے مولانا محمد اشرف صاحب، صدر شعبۂ عربی کی دعوت پر اسلامیہ کالج، پشاور کے طلباء کے سامنے بعنوان "دنیا و آخرت" فرمائی تھی) کا ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقتباس قارئین کرام کی خدمت میں حاضر ہے۔ براہِ کرم آنکھیں کھول کر اس کا مطالعہ فرمائیں اور بطورِ استحضار اس کو ذہن نشیں کرلیں :

"جسے ہم "پیغمبر" کہتے ہیں اس کی حقیقت پہچان ہی نہیں سکتے، نہ "پیغمبر، مصلح، ریفارمر" جیسے کسی لفظ سے اس کی حقیقت کو ادا کیا جاسکتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السّلام کی بلندی اور حقیقتِ نبوّت کی طرف راہنمائی سے ہمارے الفاظ قاصر اور نا تمام ہیں۔ ہماری کسی زبان میں خواہ انگریزی ہو یا اردو، پشتو ہو یا فارسی، کوئی لفظ نہیں، اور نہ اس کی گنجائش ہے۔ جو "نبی و رسول" اور "نبوّت و رسالت" کے مفہوم کو ٹھیک ٹھیک ادا کر دے۔ تفصیلات سے قطع نظر میں یہاں اس کی طرف مختصر اشارہ کرتا ہوں۔ لغتِ عرب میں "نبی" کے معنیٰ ہیں۔ نبأ (خبر) دینے والی شخصیت، لیکن شریعت نے جس ذات کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ ربُّ العالمین جلّ ذکرہ نے ازل سے اس کو اپنے اور بندوں کے درمیان واسطہ بنانے کے لیے منتخب فرمایا ہو، قدرت اس کی پرورش کر رہی ہو... وَلِتُصۡنَعَ عَلٰی عَیۡنِیۡ (طٰہٰ - ۳۹) اور اس لیے کہ تم میرے سامنے پرورش پاؤ .... اس کو ہر طرح سے معصوم بنا دیا گیا ہو، وہ نفس و شیطان کے تمام غوائل سے محفوظ ہو، اس کا امکان نہیں کہ وہ عقل و شہوت کی خواہش میں گمراہ ہو سکے، اس کا کوئی امکان نہیں کہ نفس و شیطان کے وساوس سے منزلِ مقصود اس سے محجوب ہو سکے، ایک ایسی ہستی جسے ربُّ العالمین اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان واسطۂ ہدایت بناتا ہے، اُسے اپنا نمائندہ منتخب کرتا ہے، اُسے معصوم الفطرت، معصوم العقل اور معصوم النفس پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ غیب کی خبر دیتا ہے، جسے وحی کہا جاتا ہے۔ اور محققین اہلِ لغت لکھتے ہیں کہ نبأ کے معنیٰ ایسی خبر کے ہیں جو غیب سے ہو اور اس میں عظیم فائدہ ہو، اب نبی کے معنیٰ ہوئے: وہ معصوم ہستی جس کا قدرت نے ازل ہی سے انتخاب فرمایا، وہ کسب سے نہیں بنا، تعلیم سے نہیں بنا، محنت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے نہیں بنا، جدوجہد سے نہیں بنا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی وہبی رحمت شاملِ حال ہوئی۔ اسی نے اس کا انتخاب کیا، اسی کی قدرت نے اس کی تربیت فرمائی، اسے نفس وشیطان کے غوائل سے ہر آن محفوظ رکھا، پھر اس کے پاس ایسی غیبی خبریں (وحی) بھیجیں، جن میں سننے والوں کا عظیم فائدہ ہے۔ اب بتلائیے کہ لفظ "نبی" کا ترجمہ ہم کس لفظ سے کر سکتے ہیں؟[۲۱]

....."خلقِ قرآن" یہ دو لفظی اضافت واصطلاح نہ صرف معتزلہ (اصحابِ اعتزال) کے تمام مہمل عقائد اور فضول نظریات کی اساس تھی، بلکہ اس نے قرآن مجید کے بقائے دوام کے اصلی تصور اور الہامی عقیدہ ہونے کے بجائے (نعوذ باللہ) دیگر مخلوقات کی مانند اسکی معدومی اور فنائیت پر بھی مہرِ تصدیق ثبت کر دی تھی۔ جو تمام مخلوقات کی امتیازی صفت اور سب سے بڑی علامت کہلاتی ہے۔ خدانخواستہ اگر ہم قرآن مجید کو مخلوق تسلیم کرلیں تو اس کا لازمی ولابدی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم معاذاللہ قرآن مجید کی دائمی حیثیت سے منکر ہو رہے ہیں یا دوسرے الفاظ میں کلامِ الٰہی کی بابت دوام، ابدیت اور ہمیشگی کے اقرار واثبات سے روگردانی وانحراف کر رہے ہیں، جو اپنی نوعیت کی ایک اعتقادی گمراہی، کلمۂ کفر اور مصنوعی اختراع ہوگا۔

ایک واقعہ

قارئین کرام کی دلچسپی، دلجمعی اور اطمینان وسکون کے لیے اور اسلامی شریعت کے دوام کی کھلی اور واضح شہادت کے بطور ایک ذاتی واقعہ حاضرِ خدمت ہے۔ تقریباً ڈھائی سال قبل بندۂ ناچیز ایک ماتحت متوسط مفتی صاحب، دار الإفتاء، جامعۃ العلوم الاسلامیہ، نیوٹاؤن، کراچی کی خدمتِ عالیہ میں بغرضِ ملاقات حاضر ہوا تھا۔ بندہ کی آمد سے قبل مفتی صاحب زید مجدہٗ کے پاس ایک مسیحی بھائی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے نظریات وعقائد کے مطابق ماننے والا یا ان کا پیروکار) تشریف فرما تھے۔ جونہی ناچیز دو زانو ہوکر بیٹھا ہی تھا، تو مفتی صاحب نے فوراً ان سے کہا کہ آپ اپنا اشکال وسوال ان کے سامنے پیش کریں۔ ابھی بندۂ ناچیز پوری طرح متوجہ بھی نہ ہوا تھا کہ مسیحی بھائی صاحب نے بلا توقف بولنا شروع کر دیا۔ ان کے الفاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ اس طرح کے تھے :

"جیسا کہ مشہور ہے کہ قرآنِ مجید پر اعراب [زیر (کسرہ)، زبر (فتحہ)، پیش (ضمہ)، جزم اور تشدید وغیرہ] حجاج بن یوسف، عہدِ بنو امیہ کا گورنر، نے لگوائے تھے۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی مشہور ہے کہ وہ فاسق و فاجر، ظالم و جابر اور تند مزاج و سخت گیر گورنر تھا۔ لہٰذا اس کے نامۂ اعمال میں شاید ہی قرآنِ مجید پر اعراب لگوانے کے علاوہ یا اس کی بہ نسبت کوئی زیادہ وزنی نیکی اور بارگاہِ ایزدی میں کسی نوعیت کا قابلِ قبول کارِ خیر ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآنِ مجید میں بھی تحریف و ترمیم، ردّ و بدل، تغیّر و تبدّل اور اضافہ و زیادت موجود ہے۔ پس قرآنِ کریم بھی سالم و صحیح، اکمل و مکمل اور محفوظ و مصئون نہ ٹھہرا۔ پس انجیلِ مقدس کے بارے میں اس کے تحریف زدہ اور مسخ شدہ ہونے کا عقیدہ و تصور چہ معنیٰ دارد؟"

جنابِ مسیحی بھائی صاحب کا سوچا سمجھا اعتراض سن کر اور ان کی طلاقتِ زبان اور روانیِ بیان کا اندازہ لگا کر بندہ کے ذہن کو فوراً کھٹکا لگا۔ لیکن سوال کے پہلے حصّہ پر غور کر کے اور اردو مثل "ٹوٹکوں سے گاجیں نہیں ٹلتی ہیں" (معمولی تدبیر سے بڑے بڑے کام انجام نہیں پاتے) کا سہارا لے کر ان کی خدمتِ عالیہ میں جو جواب عرض کیا گیا تھا، وہ حسبِ ذیل ہے :

اوّلاً : آپ کا ارشاد کہ قرآنِ مجید پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگوائے تھے، یہ درست نہیں ہے۔ اگرچہ روایتِ اعراب مشہور اسی طرح ہے، لیکن غلط و نادرست شہرت کو استناد اور حجیّت کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا، جبکہ حقیقتِ حال کچھ اس طرح ہے یعنی اعراب کی کہانی صاحب "تعارفِ قرآن و حدیث و فقہ" شیخ محمد اقبال صاحب کی زبانی سنئیے : "اعراب سے مراد حرکات ہے، یعنی زبر، زیر اور پیش وغیرہ، قرآنِ کریم پر پچاس ہجری تک اعراب نہ تھے، جو کہ بعد میں لگائے گئے۔ اعراب پہلے نقطوں کی صورت میں تھے۔ دیگر لفظوں سے ممیّز کرنے کے لیے انہیں الگ سیاہی سے لکھا جاتا تھا۔ چنانچہ یہ خدمتِ جلیلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے شاگردِ رشید اور خاص غلام ابوالاسود الدؤلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیہ الرحمۃ اور ان کے دو شاگردوں نصر بن عاصم اور یحییٰ بن نعیم نے انجام دی تھی۔ قرآن مجید کے اعراب کو حجاج بن یوسف سے منسوب کرنا درست نہیں ہے، جبکہ اعراب کو آخری شکل عہدِ عباسیہ میں ایک نحوی اور عالم خلیل بن احمد نے دی جو آج تک قائم ہے ۵۴

ثانیاً : آپ کا ارشاد کہ اعراب لگانا ایک اضافہ و زیادت ہے، بھی درست نہیں ہے۔ اس ضمن میں جناب والا کی خاص توجہ مصحفِ عثمانی کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے مصحفِ عثمانی کی ضرورت کیوں اور کیسے پیش آئی تھی؟ ہمہ تن گوش ہو کر اور کمالِ توجہ سے سماعت فرمائیں "دراصل جزیرہ نمائے عرب میں متعدد قبائل تھے، جن کی بولیوں اور لہجوں میں تھوڑا تھوڑا اور کچھ کچھ فرق تھا۔ ایک ہی لفظ بعض دفعہ مختلف لہجے اور تلفظ سے بولا جاتا تھا۔ مثلاً بعض قبیلے یَفْعَلُ کو اور اسلم کو عُلّم بولتے تھے۔ الغرض لہجے اور تلفظ کے اختلاف سے الگ علیحدہ مفہوم ظاہر ہوتا تھا۔ عہدِ عثمانی میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عراق اور ایران کی شمالی سرحدوں پر جہاد کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ بعض افراد و قبائل اپنی اپنی قرأت کو حق بجانب اور درست ٹھہرانے میں حد سے تجاوز کر رہے ہیں اور اس نوبت کا احتمال ہے کہ کہیں ہر قبیلہ صرف اپنی قرأت کو صحیح و درست سمجھے اور دوسروں کی قرأت کو برسرِ عام غلط قرار دے۔ اس کا انجام یہ ہوگا کہ قرآن کریم (معاذ اللہ) نزاع کا شکار ہو جائے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ واپس آئے تو خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ صورتِ حال بیان فرمائی اور عرض گذار ہوئے کہ آپ اس نازک موقع پر ملت اسلامیہ کی دستگیری کریں اور اٹھتے ہوئے افتراق و انتشار کا سدِ باب کریں چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مشورے سے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس سے صحیفہ منگوا کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ قریشی قرأت کے مطابق اس کی نقلیں تیار کریں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاکہ نزاعِ قرائت ختم ہو جائے۔ چنانچہ نقلوں کی تیاری کے بعد ہر صوبائی مرکز کو ایک ایک نسخہ بھیجوا دیا گیا اور ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رکھ دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے اس کارنامہ کی بنا پر جامع القرآن کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ [۹]

ثالثاً: جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ یہ اعراب لگانا ایک قسم کا اضافہ و زیادت ہے، تو ناچیز نے بھی جرحی سوال پیش کر دیا۔ بفرضِ محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قرآن مجید کے اعراب ایک طرح کا اضافہ و زیادت ہے لیکن گذشتہ چودہ صدیوں میں اعراب میں کسی قسم کی تبدیلی رونما ہوئی ہے یا کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت کبھی محسوس کی گئی ہے؟ مسیحی بھائی صاحب نے اس کا جواب نفی میں دیا، تو ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اس سے ثابت ہوا کہ اعراب کو اضافہ و زیادت کہنا سراسر درست نہیں ہے۔ بلکہ آپ کا اعتراض اس نوعیت کا ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ موجودہ حالت میں قرآنِ کریم (کاغذ، کتابت، طباعت، جلد بندی و جز بندی اور غلاف کی صورت میں) نازل نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ یہ کلامِ الٰہی نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک کی وساطت سے خلقِ خدا تک پہنچایا گیا تھا، جو آج بھی اپنی اصلی و نزولی حالت میں محفوظ اور محکم ہے۔ لہٰذا قرآن مجید میں تحریف و ترمیم کے حوالہ سے کسی قسم کا ادنیٰ سا گمان کرنا، اس میں تغیر و تبدل کی بابت بال برابر بھی دل میں خیال لانا اور اس میں اضافہ و زیادت کے متعلق ذرہ برابر بھی وہم و گمان ہونا کفر و ارتداد کے مترادف ہے۔ نیز قرآنِ کریم اپنے بارے میں از خود فرماتا ہے: "لتنزیل رب العلمین، نزل بہ الروح الامین، علیٰ قلبك لتکون من المنذرین، بلسان عربي مبین، وانہ لفی زبر الاولین، اولم یکن لھم اٰیۃ ان یعلمہ علماء بنی اسرائیل" (الشعراء - ۱۹۲ - ۱۹۷) اور یہ (قرآن خدائے) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے اس کو امانتدار فرشتے نے اتارا ہے۔ (یعنی اس نے) تمہارے دل پر (القا کیا ہے) تاکہ (لوگوں کو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نصیحت کرتے رہو۔ (اور القا بھی) فصیح عربی زبان میں (کیا ہے)۔ اور اسکی خبر پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں (لکھی ہوئی) ہے۔ کیا ان کے لیے یہ سند نہیں کہ علمائے بنی اسرائیل اس (بات) کو جانتے ہیں۔۔۔۔ ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے۔

"ولا تحرك به لسانك لتعجل به، ان علينا جمعه وقرآنه، فاذا قراناه فاتبع قرآنه، ثم ان علينا بيانه" (القیامہ ۱۴-۱۹)۔

اور (اے محمدؐ) وحی کے پڑھنے کے لیے اپنی زبان نہ چلایا کرو کہ اس کو جلد یاد کرلو۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔ جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم (اسکو سنا کرو اور) پھر اسی طرح پڑھا کرو پھر اس (کے معانی) کا بیان کرنا بھی ہمارے ذمے ہے۔ ذرا آپ غور فرمائیں کہ ان آیات شریفہ میں تین الفاظ "جمع، قرأت اور بیان" استعمال کیے گئے ہیں، جو بڑے اہم ہیں اور ساتھ ساتھ آپ کے اعتراض کا بالکلیہ رد بھی پیش کر رہے ہیں اور اس انوکھے اعتراض کا مسکت اور تسلی بخش جواب بھی فراہم کر رہے ہیں جیسے آپ کو علم ہوگا کہ عربی زبان میں ہجے اور تلفظ کا مجموعی نام قرأت کہلاتا ہے۔ جہاں ان آیات کریمہ میں جمع القرآن کا بھی پختہ وعدہ ہے، وہاں صحتِ قرأت (اعراب اور تلفظ) کی بھی پکی ضمانت دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں الفاظ و آیات قرآنیہ کی تفسیر و تشریح بھی من جانب اللہ ہے۔ جس کا ثبوت تقریباً تمام بڑی کتب حدیث میں "ابواب التفسیر" اور "باب جمع القرآن" وغیرہ کے عنوانات سے موجود ہے۔۔۔۔ ایک اور ارشادِ ربانی ہے۔ "انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون" (الحجر-۹)

بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے، اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ ذرا اس آیت پر غور و خوض فرمائیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ آیت قرآن مجید (ذکر) کے تنزیل من اللہ ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی باور کرا رہی ہے کہ اس آخری کتاب ہدایت کی حفاظت و نگہبانی ہماری ذمہ داری ہے۔ جب وہ بندہ کے جواب سے مطمئن و مسحور نہ ہوئے، تو انہوں نے انجیلِ مقدس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بارے میں عدم تحریف کا دعویٰ پیش کر دیا۔ جواباً صرف اتنا ہی عرض کیا تھا کہ تمام مسیحی برادری مل کر اور یک زبان ہو کر ہزارہا و لاکھ ہا مرتبہ انجیل کو انجیلِ مقدس کہے تو پھر بھی انجیل پر تحریف و ترمیم کا داغ مٹایا اور دھویا نہیں جا سکتا۔ اس جواب سے موصوف گرامی قدر کچھ جذباتی سے ہو گئے، اور

رابعًا: عیسائی بھائی کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی کہ آپ مناسب سمجھیں تو مزید تسلی اور تشفی کے لیے بذریعہ مراسلت مناظرِ اسلام علامہ جناب احمد دیدات صاحب، صدر، اسلامی بین الاقوامی پراپیگنڈہ مرکز (ISLAMIC PROPAGATION CENTRE INTERNATIONAL) ڈربن، جنوبی افریقہ سے رجوع فرمالیں۔ تو جنابِ والا مناظرِ اسلام احمد دیدات صاحب پر تحریری جواب نہ دینے کا سچا یا جھوٹا الزام لگا کر ان کو سخت و سست کہنے لگے اور کوسنے لگے۔ چنانچہ بندۂ ناچیز نے، قرآنِ مجید کی آیت کریمہ "ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة، وجادلهم بالتی هی احسن"۔ (النحل۔۱۲۵)۔ (اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ۔ اور بہت ہی اچھے طریق سے اُن سے مناظرہ کرو، کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ان کے اعتراض کو مہمل، فضول، خفیف، بے وقعت، غیر سنجیدہ اور غیر ضروری ہونے کی نشاندہی کر ہی رہا تھا کہ دار الافتاء کا سہ پہر والا وقت ختم ہو گیا اور اتفاقیہ مجلس برائے سوال وجواب بابت اعراب قرآن مجید اپنی اختتام کو پہنچی۔

قارئین کرام سے راقم الحروف عرض گذار ہے کہ براہِ کرم اندازہ لگائیں کہ "اسلامی شریعت کی دائمی حیثیت" محض ایک اسلامی و علمی فصیح و بلیغ اور فلسفیانہ و حکیمانہ عنوان اور شہ سرخی ہی نہیں بلکہ یہ اپنے حقیقی مفہوم، الہامی اثر پذیری، ابدیت اور عالمگیریت کے اعتبار سے عقیدہ و ایقان کا جزو لاینفک ہے، یا کم از کم "شریعت کا دوام" ایمان و یقین کا دوامی حصہ ہے۔ نعوذ باللہ اگر کتاب اللہ ہی سالم و صحیح اور محفوظ و مصئون نہیں، تو اسلامی شریعت کی دائمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیثیت چہ معنیٰ دارد؟

دوام (دائمی حیثیت) کا معنیٰ و مفہوم

صاحبِ لسان العرب، علامہ ابنِ منظور الأفریقی تحریر کرتے ہیں کہ "دام الشئ یدوم ویدام" یعنی کوئی چیز جو ہمیشہ برقرار اور باقی رہے، جیسے ایک شاعر نے کہا ہے۔

یالائمی لاغزو ولا ملاما
فی الحبّ، ان الحبّ لن یداما

اے مجھے بُرا بھلا کہنے والے! محبّت کرنا کوئی حرج اور قابلِ ملامت نہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ محبّت ہمیشہ ہمیشہ قائم نہیں رہتی۔ مشہور لغوی کرائحؔ نے کہا ہے کہ "دام یدوم فَعَلَ یَفعُل" کی صرفی ترکیب زیادہ پُر زور معنیٰ خیز نہیں ہے۔ اس کا مصدر دوم، دوام اور دیمومۃ آتا ہے۔ (جبکہ دیمومت کا مصدر ہونا محلِ نظر بھی ہے)۔ دوام کی ضد عدم و انتہا رہے۔ شمر نے کہا ہے کہ مستدیم وہ شخص ہوتا ہے، جو اپنے ہر معاملہ، مسئلہ اور کام میں بہت زیادہ غور و فکر اور خوب چھان بین کرتا ہے۔ اسی اصل (دوم) سے دائم، دیّوم، مداومت اور دیمہ بنتے ہیں، جبکہ دائم کے معنیٰ ہمیشہ قائم یا موجود رہنے والے کے ہیں اور دیّوم بروزن قیّوم ہے۔ مداومت کے معنیٰ مواظبت، استمرار، ہمیشگی، ثبات اور قیام کے ہیں۔ دیمہ (جمع دِیَم) کے معنیٰ ہلکی ہلکی بارش کے ہیں، اور بعض اہلِ لغت نے کہا ہے کہ دیمہ اس بارش کو کہتے ہیں جو پانچ یا چھ دن تک وقفے وقفے سے برستی رہے۔ بعض دیگر اصحابِ لغت کا قول یہ ہے کہ دیمہ وہ بارش ہوتی ہے جو ایک دن اور ایک رات متواتر اور لگاتار برستی رہے۔ خلد بن جنبہ کی رائے ہے کہ دیمہ سے مراد وہ رحمتِ باراں ہوتی ہے، جس میں نہ تو بادل گرجتے ہیں اور نہ ہی برق (وہ روشنی جو بادلوں کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے) کی کڑک ہوتی ہے یا بجلی کی آواز ہوتی ہے۔ اسی مادہ سے لفظ مدام ہے، جس کے ایک معنیٰ ہمیشہ، سدا، نِت، دائم اور متواتر کے ہیں اور اس کے ایک اور معنیٰ شراب اور مے کے ہیں۔

کوئی شئے جو قائم، ساکن، جامد اور ہمیشہ ایک جیسی رہے، وہ دائم کہلاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی لیے "ماءٌ دائمٌ" اس پانی کو کہا جاتا ہے، جو ٹھہرا ہوا ہو، یعنی بہتا ہوا، رواں اور جاری نہ ہو۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیثِ مبارکہ بھی ہے جس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرے ہوئے اور جمع شدہ پانی میں پیشاب کرنے سے سخت ممانعت فرمائی ہے، کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ پھر کبھی اس سے وضو بھی کیا جائے۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جاتا ہے "دوّم الطائر فی السماء" پرندہ دیر تک آسمان میں اڑتا رہا اور مسلسل فضا میں چکر لگاتا رہا ہے۔

اردو زبان کی قابلِ اعتماد، جامع، معتبر، مستند اور بسیط "اردو لغت" (تاریخی اصول پر) تالیف از اردو لغت بورڈ، کراچی میں دائم، دائمی اور دائمیّت کے معنی کچھ اس طرح بیان کیے گئے ہیں۔ دائم کے معنی ہمیشہ قائم یا موجود رہنے والا، ہمیشہ اور مدام کے ہیں۔ جیسے شاعر حسن شوقی نے کہا ہے۔

تیرے نور کا شور قائم اچھو
جھمکتا تیرا حسن دائم اچھو

چنانچہ دائم الاثر وہ شخص ہوتا ہے، جس کا اثر ہمیشہ باقی رہے، اس لیے دائم الجوع وہ شخص کہلاتا ہے جو ہمیشہ بھوکا رہنے والا ہو۔ نیز دائم الحبس سے مراد وہ شخص جسے عمر قید کی سزا دی گئی ہو یعنی عمر بھر کا قیدی۔ اسی طرح دائم الحضور سے ہمیشہ تعظیم کرنے والا اور ہمیشہ خدمت میں حاضر رہنے والا سے عبارت ہے۔ علاوہ ازیں دائم الخمر کا مطلب ہے شرابی یا ایسا شخص جو ہمیشہ شراب پینے والا ہو اور ہمیشہ ہمیشہ نشے میں دھت رہتا ہو۔ علم النحو کی رو سے یہ تمام مذکورہ مرکب اور مخلوط تراکیب و الفاظ جیسے دائم الاثر، دائم الجوع، دائم الحبس، دائم الحضور اور دائم الخمر اور اس نوع کے دیگر مرکبات جیسے دائم الصوم، دائم المرض اور دائم الوجود اضافتِ توصیفی ہیں۔

دائماً کے معنی ہمیشہ، مستقلاً، ہر وقت، برابر، مسلسل اور لگاتار کے ہیں۔ نیز "تجزیۂ نفس" میں یہ مشہور و معروف جملہ مرقوم ہے۔ "انسانوں کو زیرِ غور لاتے وقت دائماً یہ بات ہماری توجہ میں خلل کا باعث بنتی ہے۔" دائمی کا معنی ہمیشہ کا، مستقل اور دوامی کے ہیں۔ جبکہ دائمیت کے معنی ہمیشگی، دوام، ثبات، قیام، بقاء، ابدیت کے ہیں نیز دائم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہنا کے معنی ہمیشہ رہنا، قائم رہنا، جاری رہنا کے ہیں، جیسے یہ شاہکار جملہ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری دین لے کر آئے جو قیامت تک دائم رہے گا" اس کی پوری پوری تصدیق و تائید کر رہا ہے ۞

قرآن مجید میں شریعت اسلامیہ کے ذیل میں دین قیم، دین کامل، اور صراط مستقیم کی اصطلاحیں بھی وارد ہوئی ہیں۔ ان کا اردو ترجمہ یہ ہے: اسلامی شریعت، سچا دین، مکمل دین اور سیدھا راستہ۔ جبکہ فارسی زبان میں اسلام کے ضمن میں راہِ راست، صحیح راہِ عمل اور دینِ خداوندی وغیرہ کی اصطلاحات موجود ہیں۔ دین میں اساسی اور بنیادی قانون کا جو حصّہ موجود ہے، وہ اسلامی شریعت کہلاتا ہے۔ قرآنِ مجید اور سنتِ ثابتہ اس کا ماخذ ہیں یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے وہ بنیادی قوانین ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر انسانی زندگی کا سارا نظام صحیح طور پر قائم اور دائم رہ سکتا ہے۔ یہ قوانین اسی طرح غیر متبدّل اور غیر تغیّر پذیر ہیں، جس طرح طبیعات اور حیاتیات کے قوانین غیر متبدل ہیں۔

انسانی فطرت، طبیعت اور سرشت ہر جگہ اور ہر زمانے میں تقریباً ایک جیسی اور مساوی رہی ہے۔ چنانچہ لوگ ماضی کے ہوں یا حال کے، سفید ہوں یا سیاہ، عربی ہوں یا عجمی، مرد ہوں یا عورتیں، بوڑھے ہوں یا جوان، امیر ہوں یا غریب، کمزور ہوں یا طاقتور عقل مند ہوں یا ناداں، اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ، انسانیت سب میں قدر مشترک ہے۔ وہ کچھ بھی ہوں، ان کی فطرت ایک جیسی ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان کا تعلق پتھر کے زمانے سے تھا یا موجودہ خلائی دور سے ہے۔ لہٰذا سب کی بنیادی ضروریات یکساں اور مساوی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کو ایک فطرت "دین اسلام" سے نوازا ہے۔

غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اسلامی معاشرے میں مؤثر اور نافذ العمل قوانین دو طرح کے ہوتے ہیں:

(ا) دائمی قوانین اور (ب) تغیّر و تبدّل پذیر قوانین۔

پہلی قسم کے قوانین بنی نوعِ انسان کے لیے واجب التعمیل اور واجب الاطاعت ہیں۔ مثلاً عدل و انصاف، امن و آشتی، آزادی و خود مختاری، صفائی و پاکیزگی، ایفائے عہد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راستبازی و سچائی، دیانت داری و ایمانداری، خدمتِ خلق و خوش خلقی، راہِ حق میں جاں نثاری اور سرفروشی، محبت و اخلاص، ارشاداتِ الٰہی کی تعمیل، ظلم و استحصال سے اجتناب، ناجائز جانبداری اور بددیانتی سے نفرت اور بیسیوں دیگر اخلاقی اصول اس زمرے میں آتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسلام بے عزتی و بے حیائی، جھگڑا فساد، غنڈہ گردی و بدمعاشی، دروغ گوئی، چوری اور راہزنی اور جعل سازی کی ممانعت کرتا ہے۔ یہ سب ابدی قدروں کے معاملات ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی قطعاً ممکن نہیں۔ خواہ لاکھوں برس ہی کیوں نہ گذر جائیں، ظلم کوئی اچھی چیز نہ بن سکے گا اور نہ اچھا گردانا جائے گا۔ ایسے ہی عدل و انصاف فعل شنیع کی شکل اختیار نہیں کرے گا، کیونکہ خیر و شر میں بہت زیادہ اور ختم نہ ہونے والا فاصلہ اور بعدِ بعید ہے۔ قرآن و حدیث کے مطالعہ اور غور و فکر سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کا اہم حصہ انہی جاودانی اور سرمدی اصولوں سے تعلق رکھتا ہے۔ جن میں امتدادِ زمانہ کے باوجود کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی اور آئندہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لازوال اور غیر متزلزل رہیں گے۔

اس کے برعکس تغیر پذیر قوانین دفاعی تیاریوں، فوجی سازو سامان، جدید تعلیم و تربیت، سائنسی ایجادات، تجارت کے نت نئے انداز و طریقے، بین الاقوامی رسل و رسائل اور عالمی خارجہ پالیسی سے تعلق رکھتے ہیں۔

اوپر والی بحث سے ثابت ہوا کہ اسلامی شریعت کسی ایک وقت، کسی ایک دور یا کسی ایک زمانے کے لیے نہیں بلکہ رہتی دنیا تک ہر وقت، ہر آن، ہر لمحے کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ شرعی احکام اس طرح وضع کیے گئے ہیں کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تروتازگی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور بدلتے ہوئے حالات کے زیر اثر ان کے بنیادی قواعد و ضوابط اور اصول و کلیات میں کسی تبدیلی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

یہ قواعد و ضوابط اتنے ہمہ گیر اور جامع ہیں کہ کوئی بھی نئی صورتِ حال ان کے دائرہ کار سے باہر نہیں رہ سکتی، اور وہ اتنے موثر ہیں کہ وہ ہر نئی صورت سے بطریقِ احسن نبرد آزما ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں اس قدر لچک پذیری اور جامعیت ہے کہ انہوں نے ماضی اور حال کی رنگینیوں اور مستقبل کی جدت طرازیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو یکجا کر کے ہمہ گیریت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

شریعت کی دائمی حیثیت اور ضروریاتِ دین

دین کامل، صراطِ مستقیم، شرعِ قویم، عقیدۂ آخرت، یومِ قیامت اور یوم بعث وغیرہ نہ صرف اعتقادی ضرورتیں ہیں، بلکہ یہ سب مل کر حقیقتِ حال اور شریعتِ اسلامیہ کی دائمی حیثیت کی ترجمان اور تعبیریں بھی ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ کے دوام کا ضروریاتِ دین میں شمار و شمولیت کی بحث و تمحیص سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک اعتقادی فہرست اجمالاً مرتب کرلیں تاکہ عقائدِ اسلام اور ضروریاتِ دین کا باہم دگر مربوط اور وابستہ ہونا نہ صرف ثابت ہو جائے، بلکہ اس ربط و تعلق کے بارے میں کسی قسم کے مغالطے اور شک و شبہے کی گنجائش بھی نہ رہے۔

ایمانیات و ایقانیات کے ضمن میں ایمانِ مجمل اور ایمانِ مفصّل کے علاوہ ایک مشہور اور معتبر حدیث بیان کی جاتی ہے۔ بنی الاسلام علی خمس: شهادة ان لا اله الّا الله، وانّ محمّداً عبده ورسوله، واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة وصیام رمضان وحج البیت۔ اسلام کی بنیاد (ستون و ارکان) پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اقرار و شہادت کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود و الٰہ نہیں ہے۔ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ اور یہ اقرار کہ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان شریف کے روزے رکھنا، اور بیت اللہ شریف کا حج کرنا فرض ہے۔ علاوہ ازیں مندرجہ شہادتیں بھی ایمان و یقین کا لازمی حصہ اور کسوٹی کہلاتی ہیں۔

۱۔ وحدانیت اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ جلیل اور صفاتِ کاملہ میں یکتا و یگانہ اور بے مثل و بے نظیر ہے۔ وہ اپنی ذات اور صفات میں ایسی وحدت و یکتائی رکھتا ہے، جو نہ تو اجزاء سے مرکب اور نہ ہی اس میں جزئیات موجود و مشہود ہیں۔

۲۔ قدامت اللہ تعالیٰ ابدالآباد اور ازل سے ہے، یعنی وہ ہی اوّل، وہی آخر، وہ ہی ظاہر اور وہ ہی باطن ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ بقا و دوام اللہ تعالیٰ بقا و دوام کا مالک و مختار ہے اور عدم و انتہا سے اس کی ذات لاتعلق ہے۔

۴۔ قیام بالذات اللہ تعالیٰ موجد اور محل کا محتاج نہیں، کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ زمان و مکان کی حدود قیود سے ماورا ہے۔

۵۔ حوادث اور مخلوقات کی ضد و نقیض اللہ تعالیٰ حوادث اور مخلوقات کا حقیقی خالق ہے۔ وہ بذاتِ خود کسی بھی جسم اور قالب کی شکل و صورت میں مخلوق نہیں ہے۔

۶۔ علم اللہ تعالیٰ کی ذات علیم و خبیر ہے۔

۷۔ بصارت اللہ تعالیٰ کی ذات سمیع و بصیر ہے۔

۸۔ ارادہ اللہ تعالیٰ پختہ و اٹل ارادہ کا مالک و مختار ہے۔

۹۔ قدرت اللہ تعالیٰ قدرتِ کاملہ کا مالک ہے، وہ کبھی بھی مفقود نہیں ہو سکتی۔

۱۰۔ قوتِ سماعت اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی ایسا عضو (جسمانی حصہ) یا قوتِ حس نہیں، جس کے ذریعہ سے وہ سنتا ہے، بلکہ وہ مطلق سماعت کا مالک ہے۔

۱۱۔ کلام اللہ تعالیٰ متکلم، آمر اور متنبہ کرنے والا ہے۔ اس کا کلام قرآن مجید، توراۃ اور انجیلِ مقدس کی صورت میں موجود اور قائم ہے۔

مزید برآں یہ عقائد بھی ایمان کا حصہ ہیں جیسے جنت و جہنم دونوں برحق اور موجود ہیں منکر و نکیر برحق اور موجود اور ہمارا نامۂ اعمال بھی برق رفتاری سے تحریر کر رہے ہیں۔ دنیا محض فانی ہے۔ عذابِ قبر سچا اور برحق ہے۔ یعنی قبر میں گناہ گاروں کو عذاب بھگتنا پڑتا ہے اور نیکوکاروں کو اللہ تعالیٰ نعمتوں سے نوازتا ہے۔ یوم الحشر اور یوم القیامہ برحق ہیں۔ حساب و کتاب برحق ہے۔ میزان و عدل صد فیصد درست ہے جہنم پر پُل صراط اور حوضِ کوثر برحق ہیں۔ اور مومنین جنت میں جائیں گے اور کفار و مشرکین واصلِ جہنم ہوں گے۔ نیز اللہ تعالیٰ خیر و خوبی، نیکی و برائی کا مالک ہے اور تکلیف مالایطاق پر قادر ہے وغیرہ وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شومیِ قسمت سے موجودہ نام نہاد مہذب دنیا میں بالعموم اور تقریباً تمام اسلامی ممالک میں بالخصوص ایک ایسا پڑھا لکھا، تعلیم یافتہ، متوسط (اگرچہ عوام الناس کے ہاں متوسط وہ شخص ہوتا ہے، جو نہ تو مفلوک الحال ہو اور نہ ہی وہ کثیر المال ہو، تاہم بندۂ ناچیز کے نزدیک متوسط شخص ہر اعتبار سے ہی متوسط ہوتا ہے، وہ بے چارہ و بے کس کسی چیز میں بھی خودکفیل نہیں ہوتا)، اور پروفیشنل (وکیل، ڈاکٹر، حکیم، انجنیئر، ادیب، صحافی، استاد، آفیسر، اسکالر اور قلمکار) طبقہ ہے۔ جو اسلامی شریعت سے بے بہرہ، ناواقف اور نابلد ہے۔ لیکن وہ رومی، فرانسیسی، یورپی اور امریکی قوانین، نظامہائے حکومت اور تہذیبوں سے نہ صرف بخوبی آشنا ہے، بلکہ ان کے تمدن میں پورا پورا رنگا ہوا ہے۔ شریعت کے بارے میں اس طبقہ کے تصورات و خیالات بڑے عجیب و غریب اور جارحانہ ہیں اور بہت ساری صورتوں میں ہتک آمیز اور مضحکہ خیز بھی ہیں، جیسے اسلام اور سیاست دونوں باہم دِگر متضاد اور متصادم نہ بھی، یہ آپس میں حد درجہ متحد و متفق بھی نہیں ہیں۔ ان کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ اسلام دورِ حاضر میں کامیاب اور کارآمد نہیں، وہ فیل و ناکام ہو چکا ہے۔ . . . امریکی تہذیب کی جھولی میں پڑے ہوئے اس طبقہ کا سب سے بڑا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ نیز یورپی ثقافت سے گھائل یہ طبقہ کہتا ہے کہ اسلامی شریعت کے احکام ابدی اور سرمدی نہیں ہیں، بلکہ وقتی و عارضی ہیں کیونکہ ان کے نزدیک جرائم اور کبائر کے خاتمہ کے لیے شرعی حدود اور مقرر کردہ اسلامی سزائیں نہ صرف وحشیانہ دور اور جاہلیت کے لیے مخصوص تھیں، بلکہ موجودہ دور کے لیے انہیں یہ حدود و اسلامی سزائیں گھناؤنی اور ناقابلِ نفاذ معلوم ہوتی ہیں۔

اس منہ زور اور بے لگام طبقہ کے یہ سارے اعتراضات اور اس قسم کے دیگر شبہات دوہری نوعیت کے حامل ہیں۔ یعنی ان اعتراضات اور اشکالات سے اسلامی شریعت کی جامعیت اور اکملیت بھی مجروح ہوتی ہیں اور ساتھ ساتھ اسلام کی ابدیت اور دائمیت پر بھی زد پڑتی ہے۔ اسلام کی جامعیت ایک علیحدہ اور مستقل موضوع اور عنوان ہے، اس وقت اس کی تفصیل میں جانا نہ آسان ہے اور نہ ہی ضرورت ہے اور درست بھی۔ لہٰذا تکمیلِ دین کے بارے میں یہی ایک آیتِ شریفہ کافی ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینًا ۔ (المائدہ ۔ ۳) ۔ آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا ۔ علاوہ ازیں تکمیلِ دین کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث بھی ہیں مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ، ختم بی النبیّون ۔ میری ذات سے انبیاء کا سلسلہ ختم کیا گیا ہے ۔ ایک اور ارشادِ رسالت مآب ہے ۔ اَلَا لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ۔ ہوشیار ! میرے بعد کوئی نبی نہیں ۔ ایک اور جامع اور آخری ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے ، میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں ۔

موجودہ موضوع کی مناسبت سے دوام اور ابدیّت کو ثابت کرنا از بس ضروری ہے ۔ ارشادِ باری ہے ۔ فاقم وجھک للدین حنیفًا ، فطرت اللہ التی فطر النّاس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ، ذالک الدین القیّم ، ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۔ (الروم ۔ ۳۰) ۔ تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (خدا کے رستے) پر سیدھا منہ کیے چلے جاؤ (اور) خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) خدا کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیّر و تبدل نہیں ہو سکتا ۔ یہی سیدھا دین ہے ۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۔ قرآن مجید کا حتمی دعویٰ یہ ہے کہ سنّتِ الٰہیہ قائم اور دائم ہے اور اس کی قدرتِ قاہرہ صدیوں کے ہمراہ رواں دواں ہے ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ۔ لا تبدیل لکلمات اللہ ۔ (یونس ۔ ۶۴) خدا تعالیٰ کی باتیں بدلتی نہیں ، دوسرا ارشادِ باری تعالیٰ ہے ، ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ۔ (الاحزاب ۔ ۶۲) ۔ اور تم خدا کی عادت میں تغیّر و تبدّل نہ پاؤ گے ۔ یعنی قرآن و سنت کے بتائے ہوئے اصول ابدی ہیں ۔ پوری انسانیت بھی متفقہ طور پر ان میں کوئی تبدیلی کرنا چاہے تو بھی نہیں کر سکتی ، اس لیے کہ یہ دائمی ہدایت ربّ العالمین کی طرف سے ہے ۔

الغرض اسلامی شریعت زمان و مکان کی قید سے بالکل آزاد ہے اور پوری انسانیت کے لیے ایک فطری اور ربّانی نظام ہے ، یہ ایک آسمانی و آفاقی دستور العمل ہے ، جو سراسر قائم و دائم ہے ۔ آخر ہم کیوں نہیں سوچتے کہ اگر اسلام عارضی اور وقتی ہے اور دائمی نہیں ، تو یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوادثاتِ زمانہ، اس کے اُتار چڑھاؤ اور اس کی نیرنگیوں اور فتنہ سامانیوں کی بھینٹ چڑھ کر ملیامیٹ اور نیست و نابود کیوں نہیں ہوا؟ موجود گئے گذرے دور میں بھی یہ اپنی اصلی اور الہامی صورت میں کیسے موجود ہے؟

ضروریاتِ دین کے حوالہ سے عرض ہے کہ جو کوئی بھی ایک خاص حد سے تجاوز کرتے ہوئے اور جان بوجھ کر ضروریاتِ دین کی غلط تاویل اور تنزویراتی تشریح کرتا ہے یا کم از کم ان کے ذیل میں ملحدانہ خامہ فرسائی کرتا۔ اولاً تو اس کی اس قسم کی ہیرا پھیری مسموع نہیں ثانیاً وہ کفریہ کلمات بولنے کا مرتکب ہوتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ان الذین یلحدون فی اٰیاتنا لایخفون علینا، أفمن یلقی فی النار خیر أمن یاتی اٰمنًا یوم القیامة اعملوا ماشئتم، انه بما تعلمون بصیر۔ (فصلت / حٰم السجدہ - ۴۰)
بے شک جو لوگ ہماری آیات میں کجروی (اختیار) کرتے ہیں۔ وہ ہم سے چھپے نہیں رہ سکتے، تو کیا وہ شخص بہتر (حالت میں) ہے جو جہنم میں ڈالا جائے گا یا وہ شخص جو قیامت کے دن مطمئن آئے گا؟ کیے جاؤ جو تمہارا جی چاہے، بے شک وہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔
چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یلحدون کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ یضعون الکلام فی غیر موضعه، وہ کلامِ الٰہی کو بے محل استعمال کرتے ہیں یعنی قرآنِ کریم کی آیات میں باطل تاویلیں اور تحریفیں کرتے ہیں۔

علم العقائد اور علم الکلام کی کتابوں میں "ضروریاتِ دین" کی مشہور و معروف تعریف یہ مرقوم ہے۔ ضروریاتِ دین سے وہ تمام قطعی اور یقینی امورِ دین مراد ہیں جن کا دین ہونا سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی طور پر ثابت ہو، اور وہ ثبوت حدِ تواتر اور شہرتِ عام تک پہنچ چکا ہو۔ حتی کہ عوام بھی ان کو دینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے اور مانتے ہوں۔ مثلاً توحید و رسالت، ختمِ نبوت، حیات بعد الموت (مر کر دوبارہ زندہ ہونا)، جزاء و سزا، نماز اور زکوٰۃ کا فرض ہونا، شراب اور سود کا حرام ہونا، اسلامی شریعت کا دوام اور اس کی جامعیت و اکملیت، دینی اور دنیوی احکام کا حسین و لاجواب امتزاج، مفید اور قابلِ عمل اشتراک وغیرہ شامل ہیں۔ ایسے تمام عقائد و اعمال کو ضروری اس لیے کہا جاتا ہے کہ ہر خاص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وعام شخص قطعی اور یقینی طور پر ان کو دین سمجھتا، مانتا اور جانتا ہے مثلاً عقیدۂ ختمِ نبوت ضرورتِ دینی ہے اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ یعنی ضروریاتِ دین کی اصطلاح میں لفظ "ضروری" قطعی، یقینی اور ناقابلِ انکار کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ اور قرینِ قیاس بھی یہی معنیٰ ہے۔ بزبانِ دیگر ایسے تمام امور کا دین ہونا یقینی اور داخلِ ایمان ہے اور ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان پر عمل کرضروری اور فرض ہے۔ جیسا کہ بظاہر متوہم اور محسوس ہوتا ہے، اس لیے کہ ضروریاتِ دین میں بہت سے امور شرعاً مستحب اور مباح بھی ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان پر عمل پیرا ہونا فرض نہیں ہوتا، تاہم ان کے استحباب اور مباح ہونے پر ایمان لانا یقیناً فرض ہے اور داخلِ ایمان بھی۔ ان ضروریاتِ دین کا بطورِ عنا د انکار کرنا موجبِ کفر ہے۔ مثلاً مسواک کرنا تو مستحب ہے مگر اس کے استحباب پر ایمان لانا فرضِ عین ہے۔ جو شخص مسواک کے استحباب سے انکار کرتا ہے، وہ کافر ہے۔

مذکورہ بالا ضروریاتِ دین کی بحث سے معلوم ہوا کہ ختمِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم، تکمیلِ دین اور دوامِ شریعت مساوی معنیٰ اور مشترک مفہوم والی اصطلاحیں اور اضافتیں ہیں۔ ختمِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتضیات اور تضمنات سے یہ بات واضح ہے کہ کتاب وسنت (وحی جلی اور وحی خفی یا وحی متلو اور وحی غیر متلو) قیامت تک کے لیے نورِ ہدایت، مشعلِ راہ اور شمعِ فروزاں ہیں۔ اسی طرح دوامِ شریعت میں عدمِ انتہا، تعطل وانقطاع تسلیم کرنا بھی ایک طرح سے ختمِ نبوت کا صریحاً انکار ہے۔ اس معنیٰ اور مفہوم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تکمیلِ دین کے معنیٰ کی تعیین اور یقینی صورت یہ قرار پائی کہ دینِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قواعد وضوابط اور اصول وکلیات اتنے جامع وبسیط ہیں جو رہتی دنیا تک کار آمد اور مفید رہیں گے۔ ان کی افادیت و اہمیت میں نہ کمی بیشی آئے گی اور نہ ہی فرسودگی اور زنگ آلودگی واقع ہو گی۔ پس ثابت ہوا کہ اسلامی شریعت کی دائمی حیثیت ایک ایسی اثباتی وایجابی دینی ضرورت ہے۔ اور لابدی امر ہے جس کی صریحاً نفی اور نیم دلانہ انکار کفر کے ڈانڈوں سے جا ملتا ہے۔

آیاتِ قرآنیہ بابت دائمی اسلامی شریعت

قارئینِ کرام! گزشتہ صفحات میں ہم نے اسلامی شریعت کی دائمی حیثیت کا اجمالی تعارف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلقِ قرآن کے حوالہ سے اسلامی شریعت کی دائمی ماہیت وصفتِ ابدیت، مجلسِ مناظرہ میں حفاظتِ قرآن (اسلامی شریعت کے اصلی واوّلین ماخذ کی حفاظت) کا استدلال بطورِ علامتِ دوام، دوام کا لغوی واصطلاحی معنیٰ ومفہوم، اور عقیدۂ دوام بحیثیتِ ضروریاتِ دین بیان کیا ہے۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قلبِ بیدار اور کھلی آنکھوں والے قاری کی خدمت میں آیاتِ قرآنیہ بابت دائمی اسلامی شریعت پیش کر دی جائیں تاکہ اس کے ذہن میں دائمی حیثیت کے بارے میں کسی قسم کا تردّد اور توہم باقی نہ رہے۔ یعنی اسلام کی دائمی حیثیت نکھر کر اور اجلی وآراستہ ہو کر جلوہ افروز ہو۔ آیاتِ قرآنیہ، انکا اردو ترجمہ اور ان کی واجبی وتفسیری تشریح حسب ذیل ہے۔

۱۔ ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتك و یعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم، انك انت العزیز الحکیم۔ (البقرہ۔ ۱۲۹)

اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجیو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے۔ اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔ بے شک تو غالب (اور) صاحبِ حکمت ہے۔

پچھلی آیت کے مطابق جب ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام، والد و فرزند دونوں نے مکہ مکرمہ کے باسیوں اور زائرین بیت اللہ کے لیے فراوانیٔ رزق اور تر و تازہ پھل مہیا ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی اور بارگاہِ خداوندی میں ان کی دعا کو قبولیت نصیب ہوئی، تو انہوں نے اپنی اولاد کو روحانی غذا اور ایمانی دولت سے مالا مال دیکھنے کے لیے رب ذوالجلال کے سامنے ہاتھ اٹھائے۔ قبولیتِ دعا سے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منصبِ رسالت پر فائز کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قرآنِ مجید کا باقاعدہ درس دیا، ان کو کتاب وسنت کی تعلیم دی اور نہ صرف ان کی جسمانی ونفسانی تطہیر کی بلکہ ان کو روحانی بالیدگی کا ایسا نمونہ ومثال بنا دیا، جو رہتی دنیا تک قابلِ رشک اور قابلِ تقلید رہے گا۔

۲۔ وکذالك جعلناکم امۃً وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ویکون الرسول علیکم شہیدا ۔ (البقرہ۔۱۴۳)۔
اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزمان) تم پر گواہ بنیں۔

پچھلی آیتِ شریفہ میں تحویلِ قبلہ (بیت المقدس کی طرف قبلہ رُخ ہونے کے بجائے دائماً بیت اللہ کی طرف مسلمانوں نے رُخ پھیر لیا تھا) کا حکم مذکور ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بنی اسرائیل کی فضیلتِ سیادت اور سماوی قیادت ختم ہو چکی ہے۔ اس کا صرف خاتمہ ہی نہیں ہوا بلکہ امتِ محمدیہ کو "امت وسط" بنا دیا گیا ہے۔ بلفظِ امتِ وسط وسیع معنویت کا حامل ہے۔ حضرت مولانا محدث العصر سید محمد یوسف بنوری علیہ الرحمۃ کی محوّلہ بالا تقریر کا سہارا لے کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ امتِ وسط ایک ایسا مرکب وصفت ہے، جس کا ترجمہ اردو یا کسی عجمی زبان میں کرنا دشوار ہے۔ دراصل ان زبانوں میں واحد کوئی ایسا لفظ ہی نہیں ملتا جو اس مرکبِ توصیفی کے وسیع مفہوم پر محیط ہو۔ البتہ ترجمانی کا حق ادا کرنے کے لیے ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ امتِ وسط سے مراد ایک ایسی اُمت ہے۔ جس کو آخر الزماں نبی کی امت ہوتے ہوئے بہترین خوبیوں اور نوازشوں سے نوازا گیا ہے۔ اس کو نہ صرف دنیا کی امامت وسیادت بخشی گئی ہے، بلکہ امتِ وسط ہونے کی فضیلت وسرفرازی بھی عنایت کی گئی ہے۔

۳۔ ان الدین عند اللہ الاسلام ۔ (آل عمران۔۱۹)

دین تو خدا کے نزدیک صرف اسلام ہے۔

اہل کتاب سب سے بڑا دعویٰ یہ کرتے تھے کہ ان کے پاس بھی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا دین ہے۔ لہٰذا ان کے اس دعویٰ کی تردید اور ان کی ہٹ دھرمی کو ختم کرنے کے لیے یہ اعلان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ اتباع اور قابلِ قبول دین صرف اسلام ہے۔ ادیانِ سابقہ غیر مقبول اور منسوخ ہو چکے ہیں۔ اسلام ایک ایسا طرزِ عمل اور ضابطۂ حیات ہے، جو سراپا ہدایت اور راہِ نجات ہے جبکہ اسلام سے مراد سپردگی، تابعداری اور اطاعت شعاری ہے۔ جس کسی نے اس کو اپنا لیا، اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرّب اور مطیع کا رتبہ پا لیا۔ وگرنہ جس کسی نے کسی اور دین اور نظامِ زندگی کا راگ الاپا، تو یہ خالقِ کائنات کے نزدیک نری بغاوت، ہٹ دھرمی اور کھلی نافرمانی قرار پائی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منہ، وھو فی الآخرۃ من الخاسرین۔ (آل عمران۔۸۵)

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

ظاہر اور سیدھی سی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بلا حیل و حجت فرمانبرداری اور بغیر چون و چرا تابعداری کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ علی الاعلان کہتا ہے کہ بندوں کی طرف سے اس کے احکام کی عدم تعمیل اور تحکمانہ بجا آوری اس کو سخت ناپسند و ناگوار ہے۔ نتیجتاً ہر نافرمان اور باغی شخص آخرت میں ناکام و نامراد رہے گا۔

۵۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر، واولٰئک ھم المفلحون۔ (آل عمران۔۱۰۳۔۱۰۴)

اور سب مل کر خدا کی (ہدایت کی) رسّی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔ اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔

آیت کریمہ نمبر ۱۰۳ کے ضمن میں سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور یوں رقمطراز ہیں۔ "اللہ کی رسّی سے مراد اس کا دین ہے اور اس کو رسّی سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہلِ ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔ اس رسّی کو "مضبوط پکڑنے" کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت "دین" کی ہو، اسی سے ان کو دلچسپی ہو، اسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں اور اسی کی خدمت کے لیے آپس میں تعاون کرتے رہیں۔ جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اس کی اقامت کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور ان کی توجہات اور دلچسپیاں جزئیات و فروع کی طرف منعطف ہوئیں، پھر ان میں لازماً وہی تفرقہ و اختلاف رونما ہو جائے گا۔ جو اس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو ان کے اصل مقصدِ حیات سے منحرف کر کے دنیا اور آخرت کی رسوائیوں میں مبتلا کر چکا ہے۔[۹]

فرضِ کفایہ یہ ہے کہ امتِ مسلمہ میں ایک ایسا طبقہ ضرور موجود رہے، جو نیکی و معروف اچھائی و بھلائی، ہمدردی و خیر خواہی، اور مصلحت و نصیحت کی طرف ہر وقت سچے اور ہمدردانہ لہجے میں دعوت دیتا رہے، اور وہ عوام الناس کو منکر و ممنوع، بدی و برائی، گناہ و مکروہ اور معصیت و منافقت سے باز رہنے کی تلقین کرتا رہے۔ جبکہ "معروف" ہر اس کام کو کہتے ہیں جسکے کرنے کا شریعتِ مطہرہ نے حکم دیا ہے، اور "منکر" ہر اس فعل کا نام ہے جسے کرنے سے اسلام نے منع فرمایا اور روکا ہے۔ تبلیغ و ارشاد کے حوالے سے ایک سطحی ذہن رکھنے والا شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس سے از خود ثابت ہوا کہ اسلامی شریعت کے دوام کو خطرہ لاحق ہے! اسی خطرے کے پیشِ نظر لگاتار دعوت و ارشاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا عام فہم اور سادہ سا جواب یہ ہے کہ دین و شریعت کے اوامر و نواہی صرف اور صرف بندگانِ خدا کے لیے ہیں۔ چونکہ نبوت و رسالت کا سلسلہ منقطع، مختتم اور منتہا ہو چکا ہے۔ لہٰذا اوامر و نواہی، معاصی و کبائر اور منکرات و مکروہات کے بارے میں نہایت سنجیدہ و حکمت افروز درس دینے کا حکم دیا گیا ہے، نہ کہ اسلامی شریعت کی دائمیت سے اس کو کوئی سروکار ہے۔ اس کے برعکس بندگانِ خدا کی بھلائی مقصود ہونے سے شریعت کا تسلسل برقرار رہتا ہے، تو کونسی قیامت برپا ہوتی ہے؟ اسلام ایک ایسا دینِ فطرت ہے جو ہمیشہ قائم و دائم رہے گا۔

۲۔ كنتم خير أمة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله ۔ (آل عمران ۔ ۱۱۰)

(مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

اے امتِ مسلمہ! تمہاری ہستی اور وجود محض بخت و اتفاق، بلا قصد و ارادہ اور بغیر سوچ و سمجھ کے وقوع و ظہور میں نہیں آیا۔ اے امتِ مسلمہ! یہ دنیا تمہاری ہے یہ دنیا تمہاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ لہٰذا از خود فریضۂ منصبی بجا لاتے ہوئے اس میں نیکیاں، اچھائیاں، ہمدردیاں اور دلجوئیاں عام کرکے اس کو چار چاند لگا دے۔ نیز اپنے ایمان و یقین کی قوت اور روحانی طاقت کے ذریعہ سے منکرات و مکروہات اور برائیوں و ستم ظریفیوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ دے۔

سید قطب شہید مصری مرحوم اس آیت کی تفسیر یوں فرماتے ہیں:

"وهذا ما ينبغي ان تدركه الأمة المسلمة، لتعرف حقيقتها وقيمتها، وتعرف انها اخرجت لتكون طليعة، ولتكون لها القيادة، بما انها هي خير أمة۔ والله يريد ان تكون القيادة للخير لا للشر في هذا الارض۔ ومن ثم لا ينبغي لها أن تتلقى من غيرها من أمم الجاهلية۔ انما ينبغي دائمًا أن تعطي هذه الأمم مما لديها۔ وأن يكون لديها دائمًا ما تعطيه۔ ما تعطيه من الاعتقاد الصحيح، والتصور الصحيح، والنظام الصحيح، والخلق الصحيح، والمعرفة الصحيحة، والعلم الصحيح"[۱]

امتِ مسلمہ کا جاگ اٹھنا اور بیدار ہو جانا ہی بہتر ہے تاکہ وہ اپنی حقیقت و اصلیت اور قدر و قیمت جان لے اور وہ اچھی طرح باور کرلے کہ اسکو رہبر و رہنما ہونے کے لیے پیدا کیا گیا ہے، نیز وہ بالفعل سیادت و قیادت کی مستحق ہو جائے۔ اس لیے کہ یہ بہترین امت۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سرزمین و کائنات میں اس کی سروری اور سرداری بطور اچھائی (امورِ خیر) کی علامت ہو، نہ کہ برائی و تباہی اور فتنہ و فساد کا شاخسانہ۔ چنانچہ اس امت کے لیے موزوں و مناسب نہیں ہے کہ وہ دیگر جاہل و گنوار گروہوں کی جھولی میں جا بیٹھے، جبکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ وہ بنیادی عقائد اور شرعی احکام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سابقہ امتوں کے پاس رہیں، جو ان کو عطا کیے گئے ہیں۔ اور وہ اساسی عقائد اور مبادیات اس امت کا طرۂ امتیاز بنے رہیں جو اس کو عطا کیے گئے ہیں جیسے راسخ عقیدہ، راست فکر، مثالی ضابطۂ حیات، بہترین اخلاق، معرفتِ صحیحہ اور ٹھوس و پختہ علم شامل ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷ - الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا ۔ (المائدہ ۔ ۳)

آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

اسلام عقیدہ و شریعہ (قانون) یا دین و دنیا کے مجموعے کا نام ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سن ۱۰ ہجری میں یہ اعلان فرمایا تھا کہ آج کے مبارک دن تمہارا دینِ اسلام مکمل کر دیا گیا ہے ۔ پس کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ یہ بڑی اور انوکھی بات کہے کہ اسلام میں فلاں نقص ہے ، اسے دور ہونا چاہیے اور اس میں یہ کمی باقی ہے ، اس کو پورا کیا جانا چاہیے ۔ (العیاذ باللہ) ۔ علاوہ ازیں وہ یہ کہے کہ اسلام زمان و مکان سے مطابقت نہیں رکھتا وغیرہ (خاکم بدھن) ۔ یہ سارے اور اسی قبیل کے دیگر اعتراضات صرف اور صرف ہفوات و خرافات کے زمرہ میں آتے ہیں ۔ کیونکہ تکمیل دین سے مراد ایک ایسا نظامِ زندگی اور ضابطۂ حیات ہے ، جو ابد الآباد تک کارآمد اور قابلِ اطاعت ہے ۔ رفتارِ زمانہ اس کی اصولی تفصیلی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتی ۔ امتِ مسلمہ کے اسبابِ زوال میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ امتِ مسلمہ اپنا کامل و مکمل اور الہامی دین چھوڑ کر اغیار کی پیروی و پرستش میں مصروفِ پیکار رہی ہے ۔ چنانچہ اس ناگفتہ بہ صورتِ حال کے علاوہ موجودہ دور کے مسلمانوں کی بے راہ روی اور مادہ پرستانہ ہوس کی تکمیلِ دین سے کیا نسبت ہو سکتی ہے ؟ جبکہ اسلامی شریعت میں احکامِ تفصیلیہ ، مبادیات و کلیات ، قواعد و ضوابط اور اصول و اساسیات موجود ہیں ۔

۸ ـ یایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ، وان لم تفعل فما بلغت رسالتہٗ ، واللہ یعصمک من الناس ، ان اللہ لا یهدی القوم الکافرین ۔ (المائدہ ۔ ۶۷)

اے پیغمبر جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو ۔ اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے ۔ (یعنی پیغمبر کا فرض ادا نہ کیا) اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا ۔ بے شک خدا منکروں کو ہدایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں کرتا۔

"تکمیلِ دین اور اسلام کے دوام کے لیے ایک طرف تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری حیاتِ مبارکہ میں احکامِ خداوندی کے ابلاغ کا کام جاری رکھا اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی تابعدار جماعت کو یہ ہدایت فرما کر" فليبلغ الشاهد الغائب ۔ اس مجلس کا ہر حاضر اور موجود شخص دوسرے غیر حاضر اور غائب شخص کو اسلام کا پیغام پہنچا دے "تبلیغ دین اور دوامِ شریعت کا ایک جامع اور کامیاب طریقہ وضع فرما دیا۔ خدائے ذوالجلال کا فضل و احسان ہے کہ اس مبارک موقع سے درسِ قرآن اور تعلیمِ احادیث رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ جاری و ساری ہے اور انشاءاللہ یومِ قیامت تک مسلسل اور لگاتار رواں دواں رہے گا۔ دوام کے نقطۂ نظر سے یہ علم و عمل کا ایسا طریقہ ہے جو ہر اعتبار سے لاجواب اور لاثانی ہے۔

۹۔ قل يايها الناس انى رسول الله اليكم جميعًا ۔ (الاعراف ۔ ۱۵۸)

(اے محمد) کہہ دو کہ لوگو میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی اس کا رسول ہوں)۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ جزیرہ نمائے عرب کے سب باسیوں کو قبولِ اسلام کی دعوت دیں، اور ساتھ ساتھ یہ بھی اعلان کر دیں کہ آپ آخرالزمان و ختم الرسل ہیں۔ آپ کی رسالت "تا قیامت باقی رہے گی۔ یہ کسی ایک خطۂ ارض، محض قوم و ملک اور خاص وطن و قومیت کے ساتھ وابستہ اور متعلق نہیں ہے۔ جبکہ آپ سے پہلے کی اکثر رسالتیں و نبوتیں زمانی، محلی اور قومی تھیں۔ ان کے برعکس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے اصول کامل ہیں اور تمام فروع و جزئیات پر حاوی و محیط ہیں۔

۱۰۔ وما ارسلناك الا كافةً للناس بشيرًا و نذيرًا ولكن اكثر الناس لايعلمون ۔ (السباء ۔ ۲۸)۔

اور (اے محمد) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیتِ شریفہ کے ضمن میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ "یعنی تم صرف اسی شہر، یا اسی ملک یا اسی زمانے کے لوگوں کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کے لیے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہو۔ مگر یہ تمہارے ہم عصر اہلِ وطن تمہاری قدر و منزلت کو نہیں سمجھتے اور ان کو احساس نہیں ہے کہ کیسی عظیم ہستی کی بعثت سے ان کو نوازا گیا ہے۔ یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے ملک یا اپنے زمانے کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک پوری نوعِ بشری کے لیے مبعوث فرمائے گئے ہیں، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ مثلاً واوحی الیّ ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ۔ (الانعام۔ ۱۹) اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے تم کو متنبہ کروں اور ہر اس شخص کو جسے یہ پہنچے۔ قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا۔ (الاعراف۔ ۱۵۸) اے نبی کہہ دو کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ وما ارسلناک الا رحمۃً للعالمین۔ (الانبیاء۔ ۱۰۷)۔ اور اے نبی، ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت کے طور پر۔ تبارک الذی نزّل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ (الفرقان۔۱) بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے متنبہ کرنے والا ہو۔ یہی مضمون نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بہت سی احادیث میں مختلف طریقوں سے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً بعثت الی الأحمر والأسود (مسند احمد، مرویات ابوموسیٰ اشعریؓ)۔ میں کالے اور گورے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ امّا انا فارسلت الی الناس کلھم عامۃ وکان من قبلی انما یرسل الی قومہ۔ (مسند احمد، مرویات عبداللہ بن عمرو بن عاص) بیں عمومیت کے ساتھ تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ حالانکہ مجھ سے پہلے جو نبی بھی گزرا ہے وہ اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت انا والساعۃ کھاتین یعنی اصبعین۔ (بخاری ومسلم) میری بعثت اور قیامت اس طرح ہیں، یہ فرماتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں اٹھائیں۔ اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان بھی کوئی نبوت نہیں ہے۔ میرے بعد بس قیامت ہی ہے اور قیامت تک میں ہی نبی رہنے والا ہوں۔[۱۱]

۱۱۔ ثم جعلناک علی شریعۃ من الأمر فاتبعھا ولا تتبع اھواء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الذین لایعلمون۔ (الجاثیہ۔۱۸)
پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے پر (قائم) کر دیا تو اسی (رستے) پر چلے چلو اور
نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا۔

ادیانِ سابقہ اور دینِ اسلام

عربی زبان کی یہ خصوصیت شاید سب کو معلوم ہے کہ مادے کے اصل معنی کسی نہ کسی شکل و صورت میں اس کے مشتقات فعلیہ و اسمیہ دونوں میں باقی رہتے ہیں۔ اسی لیے باعتبارِ لغت دین کے معنی غلبہ و اقتدار، حکمرانی و فرمانروائی، ملت و مذہب، دوسرے کو اطاعت پر مجبور کرنا وغیرہ کے ہیں، مثلاً عربی میں استعمال ہوتا ہے، دان النّاس، ای قھرھم علی الطاعۃ۔ یعنی لوگوں کو اطاعت پر مجبور کیا، دان الرجل اذا اعزّ۔ فلاں شخص عزت اور طاقت والا ہوگیا۔ علاوہ ازیں دین کے لغوی معنی شریعت، طریقہ، راستہ اور رسم و رواج کے بھی ہیں، مثلاً کہا جاتا ہے مازال ذالک دینی و دیدنی ای عادی۔ یہ ہمیشہ سے میرا طریقہ و وطیرہ رہا ہے۔ اور حج والی حدیث میں ہے "کانت قریش ومن دان بدینھم ای اتبعھم فی دینھم و وافقھم علیہ واتخذ دینھم لہ دینًا وعبادۃً" اور وہ لوگ جو ان کے مسلک کے پیروکار تھے۔ یعنی انھوں نے قریش کی متابعت و موافقت کی تھی، اور ان کے دین کو بطور اپنا دین و عبادت اپنایا تھا[۲]۔

قرآن مجید میں بعض جگہ لفظِ دین نظامِ زندگی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایسا نظام جس کے تحت انسان اللہ تعالیٰ کو قادرِ مطلق اور مالک و مختار تسلیم کرتا ہے، اس کا مطیع فرمانبردار بندہ بن جاتا ہے۔ اس کی ہدایات کا پابند ہو جاتا ہے۔ گویا حکم عدولی اور نافرمانی کی صورت میں ہر مومن سزا کا سزاوار قرار پاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا حاصل کر لینے کی صورت میں وہ مستحقِ انعام ٹھہرایا جاتا ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ادیانِ سابقہ اور دینِ اسلام کے مابین اشتراک اور مساوات کے چند پہلوؤں کا تذکرہ کریں تاکہ ایک طرف لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم کا باہم وگر ربط و تعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واضح ہو جائے اور دوسری طرف دوام کا تقاضا بھی پورا ہو جائے۔ بداہتاً لفظِ دوام زمانے سے متعلق ہے، اور زمانہ تین حصّوں میں منقسم ہے، ماضی، حال اور مستقبل۔ زمانۂ حال تو جاری وساری ہے، اور مستقبل کی ضمانت بہ سببِ تکمیل دین وبصورتِ ختمِ نبوت موجود ہے۔ تاہم دوام کے نقطۂ نظر سے ماضی کا معاملہ بھی مبہم اور نامعلوم نہیں ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ شرع لکم من الدین ما وصّٰی به نوحًا والذی اوحینا الیك وما وصینا به ابراهیم وموسٰی وعیسٰی أن اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه، کبر علی المشرکین ما تدعوهم الیه، الله یجتبی الیه من یشاء ویهدی الیه من ینیب۔ (الشوریٰ ۱۳)

اس نے تمہارے لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف رستہ دکھا دیتا ہے۔

دینِ اسلام جو امتِ محمدیہ علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے مشروع کیا گیا ہے، یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، حقیقتاً یہ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہی دین ہے۔ کیونکہ حق (دینِ خداوندی) ہمیشہ ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، وہ کوئی تبدیل ہونے والی شئے نہیں ہے۔ اہلِ کتاب جو دینِ اسلام کو ادیانِ سابقہ سے مماثل اور مشابہ قرار دینے میں حیل وحجت سے کام لے رہے تھے اور اجنبیت برت رہے تھے۔ دراصل وہ اپنی ناراضگی اور دشمنی کا اظہار کر رہے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دینِ اسلام کی تعیین کی خاطر) ایک سیدھی لکیر کھینچ کر فرمایا کہ یہی لکیر سبیل الرشاد ہے، تو پھر اس لکیر کے ارد گرد دائیں بائیں چند لکیریں کھینچیں اور ارشاد فرمایا کہ یہ سب راستے شیطانی راستے ہیں۔ جن کی طرف شیطان ملعون ہر وقت دعوت دیتا رہتا ہے۔ پھر قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ "هذا صراطی مستقیمًا فاتبعوه"۔ یہی وہ لکیر میرا سچا اور سیدھا راستہ ہے بس اس کی پیروی کرو۔" تلاوت فرمائی۔ دینِ اسلام کی مماثلت کی وجہ یہ ہے کہ ادیانِ سابقہ میں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کی صفاتِ الٰہیہ کا اقرار، سابقہ انبیاء کرام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیہم السّلام کی نبوت و رسالت کی شہادت، آسمانی کتابوں اور فرشتوں پر یقین، اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے پر ایمان والے عقائد موجود تھے، نیز ان انبیاء کرام علیہم السّلام کی شریعتوں میں بھی ایسے ہی اوامر و نواہی موجود تھے۔ اس وضاحت کے پیشِ نظر کہہ سکتے ہیں کہ دینِ اسلام ایک طرح سے ادیانِ سابقہ کی جامع اور تکمیلی شکل ہے، اگرچہ بعض عملی احکام میں کسی نہ کسی نوعیت کے فرق و تفاوت کی بھی نشاندہی ہوتی ہے جس کی طرف قرآنِ مجید نے بھی اشارہ کیا ہے۔ لکل جعلنا منکم شرعۃً ومنھاجًا۔ (المائدہ ۵ - ۴۸) ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ لیکن اس سے اختلافِ ادیان لازم نہیں آتا، جیسے فروع و جزئیات میں اختلاف تفریقِ دین نہیں کہلاتا۔ کیونکہ تمام ادیانِ سابقہ بشمول دینِ اسلام کا مقصدِ وحید اللہ تعالیٰ کے اوامر کا امتثال اور اس کے نواہی سے اجتناب ہے اور بس ارشادِ باری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس فعل کے کرنے کا حکم دیں۔ اس کو بے چوں وچرا فوراً بجالاؤ اور تعصب و عناد یا خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے ہوئے اس کی بجاآوری میں لیت ولعل سے کام نہ لو۔ نیز اس سلسلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول یہ ہے کہ تفرقہ، جدائی اور نااتفاقی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اتحاد و اتفاق باعثِ رحمت ہے اور جدائی اور پھوٹ باعثِ زحمت و مصیبت[۱]

صاحبِ تفسیر علامہ قرطبی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو وہی دیا گیا ہے، جو دین (توحید، رسالت، صلاۃ، زکاۃ، روزے اور حج و سچائی و راست بازی، ایفائے عہد، امانت میں دیانت، صلہ رحمی، حرمتِ کفر و قتل، حرمتِ زنا اور مخلوقِ خدا کی ایذارسانی و دلآزاری) حضرت نوح علیہم السلام، حضرت ابراہیم علیہ السّلام، حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو دیا گیا تھا[۱]

امام فخر الدین الرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر رسول کی شریعت دو حصّوں میں منقسم ہوتی ہے۔ ایک حصّہ وہ ہوتا ہے جو ناقابلِ منسوخ اور ناقابلِ تغیر ہوتا ہے۔ مثلاً امورِ خیریہ۔ صدق وصفا، سچائی و راست بازی، عدل و انصاف اور احسان و تشکر اور امورِ قبیحہ۔ دروغ گوئی، ظلم و ستم، ایذارسانی اور دلآزاری شامل ہیں۔ دوسرا حصّہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ ہے جس میں تبدیلی و منسوخی رونما ہوتی رہی اور احکامِ شریعت متفاوت اور متفرق رہے یا جن میں کمی و بیشی واقع ہوتی رہی۔ دینِ اسلام دیگر ادیانِ سماویہ سے مختلف اور علیحدہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ تمام انسانوں کی طبیعتیں اور فطرتیں یکساں رہی ہیں اور یہ سارے ادیان منزل من اللہ ہیں[۱۵]۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دینِ اسلام اور ادیانِ سابقہ کے مابین تسلسل اور یگانگت کی نشاندہی فرمائی ہے۔ ارشادِ رسالت مآبؐ ہے:

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اولی الناس بعیسی بن مریم فی الدنیا والآخرۃ الانبیاء اخوۃ لعلات امہاتہم شتّٰی ودینہم واحد[۱۶]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ میں دنیا و آخرت میں تمام لوگوں کی بہ نسبت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوں، ویسے بھی تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں، اگرچہ ان کی مائیں مختلف ہیں، لیکن ان کا دین ایک ہی ہے۔

ایک اور حدیث ہے:

عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما مثلی ومثل الانبیاء کرجل بنی داراً فاکملہا واحسنہا الاموضع لبنۃ فجعل الناس یدخلونہا ویتعجبون منہا ویقولون لولاموضع اللبنۃ[۱۷]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلاشبہ میری مثال اور انبیاء سابقین کی مثال اس شخص کی مانند ہے کہ جس نے ایک گھر تعمیر کیا، ماسوائے ایک تکمیلی اینٹ نصب کرنے کے اس کو (بہترین طریقہ سے) مکمل کیا اور (خوبصورت انداز سے) اس کی آرائش و تزئین کی۔ بعدازاں لوگ اس کو دیکھنے کی غرض سے آنے شروع ہو گئے اور اس کا فنِ تعمیر دیکھ کر بڑے حیران اور متعجب ہوئے اور یہ کہنے پر مجبور ہوئے۔ کاش اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک اینٹ کا خلا بھی باقی نہ ہوتا۔

بعض دیگر روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قصرِ نبوت کی آخری اینٹ میں ہوں اور بعض الفاظِ حدیث میں ہے کہ میں نے اس خالی جگہ کو پُر کر کے قصرِ نبوت کو مکمل کر دیا ہے۔ اس تمثیلِ بلیغ کا مطلب یہ ہے کہ نبوت ایک عالی شان عمارت و محل کی مانند ہے جس کے ارکان انبیاء علیہم السلام ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہ عمارت بالکل تیار ہو چکی تھی اور اس میں ماسوائے ایک اینٹ کے کسی اور قسم کی گنجائش برائے تعمیر و تکمیل نہ تھی۔ چنانچہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خلا کو پُر کر کے قصرِ نبوت کی تکمیل فرما دی۔

حاصلِ کلام

شریعتِ اسلامیہ اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام و نظام اور دین و قانون ہے، جو جامع، کامل، اکمل، عالمگیر، دائم اور قائم ہے۔ اگرچہ ابدی عقائد اور دائمی حقائق اس کی اساس ہیں، لیکن زندگی و حرکت اس کی رگ و پے میں بھری ہوئی ہے۔ جو اس پر کسی خاص عہد و تہذیب کا بدنما داغ لگنے نہیں دیتیں۔ درحقیقت یہ ایک زندہ دین ہے، جو علیم و حکیم اور سمیع و بصیر صانع کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے۔ یعنی یہ آخری، عالمگیر اور دائمی شریعت ہے، جسے خدائے ذوالجلال نے نبی آخرالزماں و ختم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، اور اس کو ہر کشمکش اور انقلابِ زمانہ سے نبرد آزما ہونے کے لیے بدرجۂ اتم صلاحیت بخشی۔

تاریخ گواہ ہے کہ گذشتہ صدیوں میں رونما ہونے والے مختلف تغیرات، پے در پے آنے والے انقلابات اور مسلسل خراب حالات و حوادث شریعتِ اسلامیہ کے تسلسل، بقا اور دوام میں کوئی رکاوٹ نہ ڈال سکے، بلکہ اس کا شباب ہر وقت قائم رہا۔ نیز یہ گواہی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی شریعت کے بقاء، تسلسل اور دوام کے لیے ایسے غیبی انتظامات کر رکھے ہیں، جو خراب ماحول کے اثرات کا مقابلہ کر رہے ہیں اور ان کو زائل کر رہے ہیں۔ اور زمان و مکان کی تبدیلیوں سے بطریقِ احسن عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

اعوذ باللہ من الغباوۃ والغوایۃ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی وحوالہ جات

۱۔ القرآن الکریم: آیاتِ کریمہ کا اردو ترجمہ، قرآن مجید ترجمہ از مولانا فتح محمد جالندھری علیہ الرحمۃ، طابع تاج کمپنی لمیٹڈ، کوڈ نمبر پی۔ ۳۸۵، طبع شدہ ۱۹۷۵ء سے لیا گیا ہے۔

۲۔ فرقۂ معتزلہ نے بنو امیہ کے عہدِ خلافت میں جنم لیا اور خلافتِ عباسیہ میں عرصۂ دراز تک اسلامی فکر پر چھایا رہا۔ اس فرقے کا بانی واصل بن عطا رتھا، یہ ۸۰ھ میں پیدا ہوا تھا اور ۱۳۱ھ کو ہشام بن عبدالملک کے عہدِ خلافت میں فوت ہوا۔ ایک دن یہ حسن بصری علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ خوارج یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کبائر کا مرتکب کافر ہے۔ ایک دوسرا فرقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان کی موجودگی میں گناہ سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے عبادت سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس ضمن میں آپ کا فیصلہ کیا ہے؟ حضرت حسن بصریؒ سوچنے لگ گئے قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتے واصل بولا: میرا خیال ہے کہ کبائر کا مرتکب نہ تو پورا مومن ہے اور نہ کافر، پھر ایک ستون کے پاس کھڑے ہو کر حضرت حسنؒ کے تلامذہ کے سامنے اپنے عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے کہنے لگا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا اس لیے مومن نہیں کہ یہ ایک مدحیہ نام ہے اور گناہ گار ہونے کے اعتبار سے وہ مدح کا اہل نہیں ہے۔ اور وہ کافر بھی نہیں ہے کیونکہ کلمہ گو ہے اور اس کے ساتھ دیگر اعمال صالحہ بھی انجام دیتا ہے۔ ایسا شخص اگر بلا توبہ مرجائے تو ابدی جہنمی ہوگا۔ اس لیے کہ آخرت میں دو جماعتیں ہوں گی۔ ایک اہلِ جنت کی اور دوسری جہنمی لوگوں کی۔ تیسری کوئی جماعت نہ ہوگی۔ اس کو مقابلتاً ہلکا عذاب دیا جائے گا۔ یہ سن کر حسن بصریؒ نے فرمایا "اعتزل عنا۔ ہم سے الگ ہو جاؤ"۔ بنا بریں ان کو معتزلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا جانے لگا ۔ خلافتِ عباسیہ میں فتنہ اعتزال کو بڑا فروغ حاصل ہوا ۔ اس دور میں معتزلہ کے دو بڑے مکتبِ فکر تھے ۔

(۱) بصرہ کے دبستانِ فکر کی قیادت واصل بن عطار کے ہاتھ میں تھی ۔

(۲) مدرسۂ بغداد کا قائد بشر بن معتمر تھا ۔ ان دونوں مکتبہ ہائے فکر کے مابین بہت سے مسائل میں فکری نزاع بپا تھا ۔ علاوہ ازیں کوئی شخص جب تک اصول خمسہ :

۱ ۔ توحید ، ۲ ۔ عدل ، ۳ ۔ وعدہ وعید ، ۴ ۔ کفر و اسلام کے درمیانی منزل کا ۵ ۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ، توحید کے من گھڑت مطالب کے ذیل میں یہ عقائد تھے ۔

الف : قیامت کے دوران رؤیت باری تعالیٰ کو محال سمجھتے تھے ، کیونکہ اس سے خدا کی جسمانیت اور جہت لازم آتی ہے ۔

ب : اور یہ کہ صفات ذات سے غیر نہیں ہیں ۔ ورنہ تعددِ قدمار لازم آتا ہے یا آئے گا ،

ج : اس پر مبنی قرار دیتے ہوئے وہ قرآن کو مخلوق سمجھتے تھے ، کیونکہ وہ صفتِ کلام کو خدا کی صفت تسلیم نہیں کرتے تھے ۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے تاریخ تفسیر ومفسرین ، تالیف غلام احمد حریری مرحوم ومغفور ، ملک سنز پبلشرز ، کارخانہ بازار ، فیصل آباد ، تاریخ اشاعت ۱۹۷۸ء ، ص ۔ ۳۱۲ ۔ ۳۱۴ ۔

۳ ۔ دنیا وآخرت ، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوی علیہ الرحمۃ ، ماہنامہ بیّنات ، کراچی ، جلد ۔ ۱۲ ، شمارہ ۔ ۱ ، محرم الحرام ۱۳۸۸ھ ، ص ۔ ۳ اور ۴ ۔

۴ ۔ تعارف قرآن و حدیث وفقہ ، شیخ محمد اقبال علمی کتاب خانہ ، اردو بازار لاہور ، اکتوبر ۔ ۱۹۶۳ء ، ص ۔ ۱۹ ۔

۵ ۔ ایضاً ، ص ۔ ۱۷ ۔ ۱۹ ۔

۶ ۔ لسان العرب ، للإمام ابي الفضل جمال الدين محمّد بن مكرم بن منظور الافريقي المصري ، المجلد الثاني عشر ، دار بيروت للطباعة والنشر ، بيروت ، ۱۹۵۶ء ۔ ۱۳۷۵ھ ، ص ۔ ۲۱۲ ۔ ۲۱۵ ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷ ۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، اردو لغت بورڈ، جلد نہم، (ترقی اردو بورڈ)، کراچی دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۔ ۳۶ ۔ ۳۸؛

۸ ۔ اکفار الملحدین (عربی)، امام العصر حضرت علّامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ، (اردو ترجمہ) مولانا محمد ادریس میرٹھی علیہ الرحمۃ، ادارہ مجلس علمی، کراچی، سنِ طباعت ۱۹۶۷ء ۔ ۱۳۸۷ھ، ص ۔ ۳ ۔ ۶،

۹ ۔ تفہیم القرآن، سیّد ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم ومغفور، جلد اوّل، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، طبع ہفتم اپریل ۱۹۸۷ء، ص ۔ ۲۷۶ و ۲۷۷ ۔

۱۰ ۔ فی ظلال القرآن بقلم سیّد قطب، المجلد الاوّل (الاجزاء، ۱ ۔ ۴)، الجزء الرابع، دار الشروق، الطبعۃ الشرعیہ التاسعۃ، ۱۴۰۰ھ ۔ ۱۹۸۰ء، ص ۔ ۴۴۷ ۔

۱۱ ۔ تفہیم القرآن، جلد چہارم، طبع چہارم، مارچ ۱۹۸۶ء، ص ۔ ۲۰۳ ۔

۱۲ ۔ لسان العرب، المجلد الثالث عشر، محوّلہ بالا، ص ۔ ۱۶۹ ۔ ۱۷۱ ۔

۱۳ ۔ التفسیر المظہری لعلامۃ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، الجزء الثامن، بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ، ص ۔ ۳۱۲ ۔

۱۴ ۔ الجامع لأحکام القرآن لابی عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی، الجزء السادس عشر، مطبعۃ دار الکتب المصریۃ، القاہرۃ، ۱۳۶۶ھ ۔ ۱۹۴۷ء، ص ۔ ۱۰ اور ۱۱ ۔

۱۵ ۔ التفسیر الکبیر للامام الفخر الرازیؒ، الجزء السابع والعشرون، الطبعۃ الاولیٰ، التزام عبد الرحمان محمد عیدان الجامع لأزہر بمصر، ص ۔ ۱۵۶ اور ۱۵۷ ۔

۱۶ ۔ الصحیح للامام البخاری، المجلّد الاوّل، نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۸۱ھ ۔ ۱۹۶۱ء، ص ۔ ۴۹۰ ۔

۱۷ ۔ جامع الترمذی للامام ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، مع شرحہ تحفۃ الاحوذی، للشیخ عبد الرحمان المبارکپوری علیہ الرحمۃ، المجلد الرابع، نشر السنۃ، ملتان، ص ۔ ۳۷ ۔

© rasailojaraid.com